اسرارِ خودی - مقبولیت اور مخالفت کے ادوار

ڈاکٹر الماس خانم

اقبال کا تصور خودی جو کہ اسرار خودی کی تکمیل سے قبل ان کے اردو کلام میں مختلف صورتوں میں موجود تھا اسرار خودی میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوا۔ اس مثنوی نے نہ صرف اپنے تہہ در تہہ معانی و مفاہیم بلکہ اپنی زبان فارسی سے بھی اہلِ علم و دانش کو حیران کر دیا کیونکہ اسرار خودی کی اشاعت سے قبل اقبال صرف اپنے اردو کلام کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے اور انہوں نے مثنوی کو بھی اردو زبان ہی میں لکھنا شروع کیا تھا جیسا کہ وہ تمکین کاظمی کے نام ایک خط (۱۶ااگست ۱۹۲۸ء) میں لکھتے ہیں:

میں نے خود اسرار خودی پہلے اردو میں لکھنی شروع کی تھی مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو حصہ لکھا گیا تھا، اس کو تلف کر دیا گیا۔[۱]

خودی جیسے وسیع فلسفے کے بیان کے لئے جب انہیں اردو زبان ناموزوں اور ان کے فکر و فلسفے کے بیان کے لئے تنگ محسوس ہوئی تو ان کی نظر انتخاب فارسی زبان پر جا ٹھہری کیونکہ فارسی زبان صدیوں سے ہندوستان میں رائج تھی اور اس زبان میں علم و ادب کا وسیع ذخیرہ موجود تھا اسی لئے انہوں نے فارسی زبان میں مثنوی لکھنے کا فیصلہ کیا اس فیصلے کی وضاحت علامہ اقبال کے اس بیان سے بھی ہو جاتی ہے جسے مولانا غلام رسول مہر نے نقل کیا ہے:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج میں یہ راز بھی بتادوں کہ میں نے کیوں کر فارسی زبان میں اشعار کہنے شروع کیے۔ بعض اصحاب خیال کرتے رہے ہیں کہ فارسی زبان میں نے اس لئے اختیار کی کہ میرے خیال زیادہ وسیع حلقے میں پہنچ جائیں حالاں کہ میرا مقصد اس کے بالکل برعکس تھا۔ میں نے اپنی مثنوی اسرار خودی ابتداًء ہندوستان کے لئے لکھی تھی اور ہندوستان میں فارسی سمجھنے والے بہت کم تھے۔ میری غرض تھی کہ جو خیالات میں باہر پہنچانا چاہتا ہوں وہ کم از کم حلقے تک پہنچیں۔ اس وقت مجھے یہ خیال بھی نہ

تھا کہ مثنوی ہندوستان کی سرحدوں سے باہر جائے گی یا سمندر چیر کر یورپ پہنچ جائے گی۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ اس کے بعد فارسی نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور میں اس زبان میں شعر کہتا رہا۔[۲]

مثنوی اسرارِ خودی کے سربستہ اسرار پر نظر ڈالیں تو ہمیں یہ سربستہ راز محض چند روز یا چند سالوں کی کاوش ہرگز محسوس نہیں ہوتے بلکہ یوں لگتا ہے کہ خیالات کا ایک وفور تھا جو سالہا سال سے اقبال کی ذات میں پک رہا تھا اور بہہ نکلنے کے لیے راستے کی تلاش میں تھا ایک طوفان تھا جو راہ پانے کے لئے بے قرار تھا۔ یہی وہ طوفان تھا جسے قیامِ یورپ کے دوران اقبال نے دبانے کی کوشش کی تھی اور پھر شیخ عبدالقادر اور پروفیسر آرنلڈ کے کہنے پر اس کا رخ موڑ دیا تھا۔ اسرارِ خودی اسی طوفان کا اظہار تھا اس طوفان کے بارے میں عطیہ بیگم کے نام خط (۷ا جولائی ۱۹۰۹ء) میں لکھتے ہیں:

میں تو خود اپنے لیے بھی ایک معما ہوں، لیکن وہ خیالات جو میری روح کی گہرائیوں میں ایک طوفان بپا کیے ہوئے ہیں، عوام پر ظاہر ہوں تو مجھے یقینِ واثق ہے کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہو گی۔ دنیا میرے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گی اور مجھے اپنے آنسوؤں کا خراجِ عقیدت پیش کرے گی۔[۳]

اس طوفان نے ایک کشمکش کی صورت اختیار کر لی تھی۔ یہ کشمکش کسی فیصلے کی منتظر تھی اور آخر کار ۱۹۱۰ء میں یہ کشمکش اسرارِ خودی کی تخلیق کے فیصلے پر منتج ہوئی۔ اس ضمن میں اقبال نے لندن میں ایک تقریر کے دوران فرمایا:

۱۹۱۰ ءمیں میری اندرونی کشمکش کا ایک حد تک خاتمہ ہوا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے خیالات ظاہر کر دینے چاہئیں لیکن اندیشہ تھا کہ اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوں گی۔ بہر حال میں نے ۱۹۱۰ء میں اپنے خیالات کو مدِ نظر رکھ کر اپنی مثنوی اسرارِ خودی لکھنی شروع کی۔[۴]

گویا اسرارِ خودی کی تخلیق کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ اقبال اپنی ذات میں جاری کشمکش سے نجات چاہتے تھے اور اپنے خیالات کے اظہار کے خواہاں تھے۔ مذکورہ بالا خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال نے ۱۹۱۰ء میں مثنوی لکھنے کا آغاز کر دیا تھا اور یوں مثنوی کی تخلیق کا کل عرصہ قریباً پانچ برس بنتا ہے۔ لیکن اقبال کے بعض ناقدین نے یہ عرصہ دو سے تین سال بتایا ہے اور خود اقبال نے بھی مثنوی کی تخلیق کا اتنا ہی عرصہ بتایا ہے۔[۵]

مذکورہ بالا وجہ کے علاوہ بھی علامہ اقبال نے اس مثنوی کی تخلیق کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں ان میں سے ایک وجہ وہ خواب قرار دیا ہے کہ جس میں مولانا جلال الدین رومی نے انہیں مثنوی لکھنے کا اشارہ دیا اور اگلی صبح جب اقبال بیدار ہوئے تو ان کی زبان پر اردو کی بجائے فارسی اشعار جاری تھے۔[۶]

ایک اور وجہ اپنے والد کی فرمائش بھی قرار دی ہے اس ضمن میں عطیہ بیگم کے نام خط میں لکھتے ہیں:

قبلہ والد صاحب نے فرمائش کی ہے کہ حضرت بو علی قلندر کی مثنوی کی طرز پر ایک فارسی مثنوی لکھوں۔ اس راہ کی مشکلات کے باوجود میں نے کام شروع کر دیا ہے۔[۷]

علامہ اقبال کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسرار خودی کی تخلیق ان کے لئے خاص اہمیت کی حامل تھی۔ انہیں اس امر کا بخوبی اندازہ تھا کہ یہ مثنوی کوئی عام مثنوی نہ ہو گی یہ نہ صرف ایک شاہکار ہو گی بلکہ مسلمانوں کی آئندہ زندگی میں کلیدی کردار کی حامل بھی ہو گی۔ اگر ہندوستان کے مسلمان اس مثنوی کے اسرار کو جان گئے تو وہ زوال کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر ترقی کے راستے پر گامزن ہو جائیں گے یہی وجہ ہے کہ اقبال وقتاً فوقتاً نہ صرف اپنے خطوط کے ذریعے اپنے خاص احباب کو نہ صرف اس مثنوی کی تخلیق کے مختلف مراحل سے آگاہ کرتے رہے بلکہ اس کی اہمیت بھی اجاگر کرتے رہے۔

۷ مارچ ۱۹۱۴ء کے خط میں مہاراجہ کشن پرشاد کو اس مثنوی کی اطلاع ان الفاظ میں دیتے ہیں:

فارسی مثنوی کے اشعار ساتھ ساتھ ہو رہے ہیں اس مثنوی کو میں اپنی زندگی کا مقصد تصور کرتا ہوں میں مر جاؤں گا، یہ زندہ رہنے والی ہے۔[۸]

مولانا غلام قادر گرامی کے نام دو خطوط میں مثنوی کے آغاز اور اختتام کی اطلاع دیتے ہیں۔ ۳۱ جولائی، ۱۹۱۴ء میں مثنوی کے آغاز کے بارے میں لکھتے ہیں:

گذشتہ سال ایک مثنوی فارسی (اسرار خودی) لکھنی شروع کی تھی ہنوز ختم نہیں ہوئی۔[۹]

۱۸ جنوری ۱۹۱۵ کے خط میں مثنوی کے خاتمے کی اطلاع ان الفاظ میں دیتے ہیں:

مثنوی ختم ہو گئی ہے۔ آپ تشریف لائیں تو آپ کو دکھا کر اس کی اشاعت کا اہتمام کروں۔[۱۰]

۶ فروری ۱۹۱۵ء کے خواجہ حسن نظامی کے نام خط میں نہ صرف مثنوی کی قریباً تکمیل کی اطلاع دیتے ہیں بلکہ مثنوی کا نام تجویز کرنے کی استدعا بھی کرتے ہیں۔[۱۱]

وہ مثنوی جس میں خودی کی حقیقت و استحکام پر بحث کی ہے اب قریباً تیار ہے اور پریس جانے کو ہے اس کے لئے بھی کوئی عمدہ نام یا خطاب تجویز فرمائیے۔ شیخ عبد القادر صاحب نے اس کے نام اسرارِ حیات، پیامِ سروش، پیام نو، آئینِ نو تجویز کئے ہیں۔ آپ بھی طبع آزمائی فرمائیے اور نتائج سے مجھے مطلع کیجئے تاکہ میں انتخاب کر سکوں۔[۱۲]

۶ جولائی ۱۹۱۵ء کے شاکر صدیقی کے نام خط میں مثنوی کے دیباچہ اور اس میں لفظ "خودی" کی تشریح کی اطلاع ان الفاظ میں دیتے ہیں:

مثنوی (اسرار خودی) کا دیباچہ کسی قدر پیامات کے سمجھنے میں مد ہو گا۔ وہاں لفظ "خودی" کی بھی تشریح ہے۔[۱۳]

مثنوی کی انفرادیت اس کا دیباچہ تھا۔ اس میں علامہ نے خاص طور پر تصوف کے اہم نظریہ "وحدت الوجود" کے وجود میں آنے کی تاریخ کا مختصر خاکہ پیش کیا تھا اور خودی کے لئے پہلے سے مستعمل لفظ "انا" کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے خودی کے نظریہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ "خودی" کے متعلق دیباچہ میں لکھتے ہیں:

ہاں لفظ خودی کے متعلق ناظرین کو آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے۔ اس کا مفہوم محض احساسِ نفس یا تعینِ ذات ہے۔[۱۴]

آغاز میں مولانا روم کے اشعار کے علاوہ اقبال نے نظیری کا یہ شعر بھی درج کیا ہے:

نیست درخشک و تر بیشہ من کو تاہی
چوب ہر نخل کہ منبر نہ شود، دار کنم

میرے جنگل کے خشک و تر میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں، جو مفید و کار آمد نہ ہو۔ جس درخت کی لکڑی وعظ وارشاد اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے منبر کے کام نہیں آسکتی، میں اس سے سولی تیار کرا دیتا ہوں تاکہ مجاہد اس پر چڑھ کر حق کی شہادت دے سکیں۔[۱۵]

مثنوی کی اشاعت پر مخالفت بھی ہوئی مگر اسرار خودی پر تنقید کرنے والوں نے اسرار خودی کی تہوں میں دفن اسرار کے خزینے تک رسائی کی بجائے غیر ضروری معاملات پر شور بپا کر دیا اور مثنوی کے خلاف علمِ تنقید بلند کر دیا۔ اس مخالفت کے بارے میں محمد عبداللہ قریشی لکھتے ہیں:

مثنوی اسرار خودی کا شائع ہونا تھا کہ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا چونکہ مثنوی کا علمِ کلام عام سطح سے بلند تھا، اس لیے تصوف کے بعض مسائل مثلاً وحدت الوجود، تنزلات ستہ اور ترکِ دنیا (رھبانیت) وغیرہ سے لوگوں نے اختلاف کیا اور مخالفت کا ایک زبردست طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ بعض صوفی، پیر اور سجادہ نشین، جنھیں روایات باطلہ کی پابندی اور شریعت حقہ سے ناواقفیت کی نمائندگی کا شرف حاصل تھا، اقبال کے خلاف صف آرا ہو گئے اور انھوں نے خوب خوب ضربیں لگائیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ خواجہ حسن نظامی اور ان کے مرید اس جنگ میں سب سے پیش پیش تھے۔[۱۶]

اس تنقید اور مخالفت کے جواب میں علامہ نے دوستوں کو وضاحتی خطوط بھی تحریر کئے اس ضمن میں سید فصیح اللہ کاظمی کے نام ایک خط (۱۰ جولائی ۱۹۱۶) میں لکھتے ہیں:

حافظ شیرازی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے، وہ میری مثنوی اسرار خودی کا ایک جزو ہے جو حال میں فارسی میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں خواجہ حافظ کے تصوف پر اعتراض ہے۔ میرے نزدیک تصوفِ وجودی مذہب اسلام کا کوئی جزو نہیں بلکہ مذہب اسلام کے مخالف ہے، اور یہ تعلیم غیر مسلم اقوام

سے مسلمانوں میں آئی ہے اور صوفی عبد اللہ صاحب اس خیال کے اظہار سے قال سے حال میں آ گئے۔۔۔۔۔ گالیوں کی روش اختیار کی اس کا جواب مجھ سے نہیں ہو سکتا۔[۱۷]

علامہ اقبال اکبر الہ آبادی کے نام بھی خطوط لکھتے تھے۔ اقبال کے دل میں ان کی بے پناہ قدر و منزلت تھی وہ خطوط میں ہمیشہ انہیں "لسان العصر اکبر الہ آبادی" کہہ کر مخاطب کرتے وہ بھی مثنوی اسرارِ خودی کے سرسری مطالعہ اور مخالفین کی طرف سے اڑائی گئی باتوں کی وجہ سے مخالفین میں شامل ہو گئے تھے جس کا اقبال کو بے حد قلق تھا۔ ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے اقبال ۱۱جون۱۹۱۸ء کے خط میں لکھتے ہیں:

میں نے خواجہ حافظ پر کہیں یہ الزام نہیں لگایا کہ ان کے دیوان سے میکشی بڑھ گئی۔ میرا اعتراض حافظ پر بالکل اور نوعیت کا ہے۔ اسرارِ خودی میں جو کچھ لکھا گیا، وہ ایک لٹریری نصب العین کی تنقید تھی۔ مجھے آپ کے خطوط سے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے مثنوی اسرارِ خودی کے صرف وہی اشعار دیکھے ہیں جو حافظ کے متعلق لکھے گئے تھے۔ باقی اشعار پر نظر شاید نہیں فرمائی۔ کاش آپ کو ان کے پڑھنے کی فرصت مل جاتی کہ آپ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محفوظ رہتے۔[۱۸]

اسی سلسلے میں ۲۰ جولائی ۱۹۱۸ء کے اکبر الہ آبادی کے نام خط میں مزید لکھتے ہیں:

آپ مجھے تناقض کا ملزم گردانتے ہیں، یہ درست نہیں۔ بلکہ میری بدنصیبی ہے کہ آپ نے مثنوی اسرار خودی کو اب تک نہیں پڑھا۔ میں اس خودی کا حامی ہوں جو سچی بے خودی سے پیدا ہوتی ہے۔ حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی میلانات، رجحانات و تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو جانا ہے؛ اس طرح پر کہ اس پابندی کے نتائج سے انسان بالکل بے پروا ہو جائے اور محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنائے۔ یہی اسلامی تصوف کے نزدیک فنا ہے۔[۱۹]

اسی قسم کی غلط فہمی اقبال کے زمانہ طالب علمی کے دوست غلام بھیک نیرنگ کے دل میں بھی جگہ پا چکی تھی اور جب انہوں نے علامہ اقبال سے اس حوالے سے بات کی تو اقبال نے ان سے درخواست کی کہ وہ بالمشافہ ملاقات کر کے تبادلہ خیالات کریں تا کہ غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔ اس ضمن میں غلام بھیک نیرنگ اپنے مضمون "اقبال کے بعض حالات" میں اسرارِ خودی کی اشاعت اس میں تصوف اور حافظ پر سخت گیری پر اقبال سے اختلاف اور علامہ اقبال کی وضاحت کی بابت لکھتے ہیں:

اقبال نے ۱۹۱۵ء میں مثنوی اسرارِ خودی شائع کی تو مجھ کو بھی اس کا ایک نسخہ بھیجا۔ اس سے پہلے میں آگاہ نہ تھا کہ اس قسم کی کوئی کتاب لکھی جا رہی ہے۔ اس میں تصوف اور خواجہ حافظ پر جو سخت گیری کی گئی ہے، وہ مجھ کو ناگوار گزری اور میں نے اقبال کو ایک طومار اختلاف لکھ کر بھیجا اور اس خط میں یہ بھی لکھا کہ میں اس بارے میں مفصل مضمون لکھ کر شائع کروں گا۔ اقبال نے جواب میں لکھا کہ ابھی آپ اشاعت

کے لئے کچھ نہ لکھیں۔ پہلے مجھ سے آپ سے بالمشافہ مبادلہ خیالات ہو جائے، پھر اگر آپ ضروری سمجھیں تو اپنے خیالات کو لکھ کر شائع کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ بھی لکھا کہ میں نے اس مر تبہ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ خیالات قائم کئے ہیں۔ اس سے میں متنبہ ہوا اور میں نے اپنی تنقید لکھ کر شائع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا البتہ وقتاً فوقتاً خطوط میں اور زبانی اقبال سے مذاکرہ ہو تا رہا۔[۲۰]

اسرار خودی کے دوسرے ایڈیشن میں اقبال نے جہاں اور ترمیمیں کیں، وہاں مندرجہ ذیل ترمیمیں بھی کر دیں، جو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ خواجہ حافظ کے متعلق اشعار حذف کر دیئے اور ان کی جگہ 'حقیقت شعر اور اصلاح ادبیات اسلامیہ' کے زیر عنوان نئے شعر شامل کر دئے۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اقبال کی رائے خواجہ حافظ کے متعلق بدل گئی تھی، وجہ یہ تھی کہ جس مقصد کے پیش نظر وہ اشعار لکھے گئے تھے، لوگوں کی غلط فہمی کی بنا پر وہ مقصد فوت ہو رہا تھا اور مصلح کی شان یہی ہوتی ہے کہ اصل مقصد یعنی اصلاح کو تمام دوسری مصلحتوں پر مقدم رکھے۔ نیز حافظ کے متعلق پہلا نقطہ نگاہ باقی نہیں رہا تھا۔

۲۔ دیباچہ حذف کر دیا۔

۳۔ انتساب کے تمام اشعار مثنوی سے الگ کر دیئے۔[۲۱]

طبع دوم کے دیباچہ میں اقبال لکھتے ہیں:

اس مثنوی کی پہلی ایڈیشن ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس دوسری ایڈیشن میں جواب ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے بعض بعض جگہ لفظی ترمیم ہے بعض جگہ اشعار کی ترتیب میں فرق ہے اور ایک آدھ جگہ تشریح مطالب کے لئے اشعار کا اضافہ ہے لیکن سب سے بڑی ترمیم یہ ہے کہ اس ایڈیشن سے وہ اشعار خارج کر دئے گئے ہیں جو خواجہ حافظ پر لکھے گئے تھے۔ اگرچہ ان سے محض ایک ادبی نصب العین کی تنقید مقصود تھی اور خواجہ صاحب کی شخصیت سے کوئی سروکار نہ تھا تاہم اس خیال سے کہ یہ طرز بیان اکثر احباب کو ناگوار ہے میں نے ان اشعار کو نکال کر ان کی جگہ نئے اشعار لکھ دیئے جن میں اس اصول پر بحث کی ہے جس کے رو سے میرے نزدیک کسی قوم کی لٹریچر کی قدر و قیمت کا اندزہ کرنا چاہیے۔ پہلی ایڈیشن کے اردو دیباچے کی اشاعت بھی ضروری نہیں سمجھی گئی۔[۲۲]

اسی دوران ۱۹۱۸ء میں رموزِ بے خودی بھی اشاعت پذیر ہو گئی تھی۔ ۱۹۲۵ء میں علامہ اقبال نے اسرار خودی اور رموزِ بے خودی کو یکجا کر کے اسرار و رموز کے نام سے شائع کیا۔ اس ضمن میں سید عبد الواحد اپنے مضمون "اسرارِ خودی کا انتساب" میں لکھتے ہیں:

جب علامہ اقبال نے ۱۹۲۵ء میں اسرار خودی اور رموزِ بیخودی کا ایک ایڈیشن اسرار و رموز کے نام

سے یکجا شائع کیا تو اس تعنون کو حذف کر دیا اور اب اس تعنون کی حیثیت ایک تاریخی واقعہ سے زیادہ نہیں ہے۔[۲۳]

علامہ اقبال اسی تسلسل میں مثنوی کا تیسرا حصہ لکھنے کے بھی خواہاں تھے وہ اس کا خاکہ بنا چکے تھے اور اس کی تخلیق کا ذکر بھی انہوں نے خطوط میں کیا تھا اور اسے ایک نئی قسم کی منطق الطیر قرار دیا تھا۔ مہاراجہ کشن پرشاد کے نام خط (یکم فروری ۱۹۱۸) میں لکھتے ہیں:

انگلستان کے پروفیسر نکلسن مجھ سے اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ اس مثنوی کا دوسرا حصہ رموزِ بے خودی زیر طبع ہے۔ تیسرے حصے کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ یہ ایک قسم کی نئی منطق الطیر ہو گی۔[۲۴]

۱۹۱۵ء میں مثنوی کی اشاعت کے خلاف جو طوفان اٹھا تھا اس کی دھول کچھ ہی عرصہ میں بیٹھ گئی جب کہ مثنوی کی پذیرائی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اقبال کی زندگی ہی میں مثنوی کی شہرت ہندوستان کی سرحدیں عبور کرتی ہوئی یورپ تک جا پہنچی تھی اور ان کی زندگی میں ہی مثنوی کے مختلف زبانوں میں تراجم کا آغاز ہو گیا تھا جیسا کہ مہاراجہ کشن پرشاد کے نام مذکورہ بالا خط سے ظاہر ہے کہ انگلستان کے پروفیسر نکلسن نے مثنوی کے انگریزی ترجمہ کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے اجازت طلب کی تھی۔ علامہ اقبال نے مثنوی کے انگریزی ترجمے، انگلستان میں پھیلتی ہوئی اس کی شہرت کی اطلاع بھی خطوط کے ذریعے اپنے احباب کو دی۔ مولانا گرامی کے نام خط (۱۹ جولائی ۱۹۲۰) میں لکھتے ہیں:

آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ اسرار خودی کا انگلستان میں خوب چرچا ہو رہا ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اس پر متعدد لیکچر دئے ہیں اور اس کے مطالب پر مختلف ادبی سوسائیٹیوں میں خوب بحث ہو رہی ہے۔ انگریزی ترجمہ موسم سرما میں شائع ہو گا۔ مسٹر محمد علی نے ایک پبلک ڈنر میں جس میں ایرانی و ترک و عرب تھے، تقریر کرتے ہوئے اس کے اشعار سنائے تو وہ لوگ محوِ حیرت و استعجاب ہو گئے۔[۲۵]

خان محمد نیاز الدین خان کے نام خط (۱۲ جنوری ۱۹۲۱ء) میں نکلسن کے ترجمہ اور دیباچہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

صرف اسرار خودی کا ترجمہ انگریزی میں ہوا ہے۔ نکلسن (مترجم کتاب) نے جو دیباچہ لکھا ہے، وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ یورپ کے پڑھے لکھے آدمیوں میں امید نہیں کہ یہ کتاب مقبول ہو، کیونکہ زندگی کے اعتبار سے وہ ممالک خود پیری کی منزل تک پہنچنے کو ہیں۔ نوجوان ملکوں پر اس کا اثر یقینی ہے، یا ایسی اقوام پر جن کو خدا تعالیٰ نئی زندگی عطا کرے۔[۲۶]

نکلسن نے اسرار خودی کا ترجمہ *The Secrets of the Self* کے نام سے کیا اور دیباچہ میں مثنوی کے حوالے سے مختلف نکات بھی بیان کیے "Introduction" کے نام سے لکھتے ہیں:

His Message is not for the Mohammedans of India alone, but for Muslims every Where.[27]

اسرار خودی علامہ اقبال کا پہلا شعری مجموعہ تھا جو کہ اشاعت پذیر ہوا۔ اس مجموعے سے ان کی شاید ایسی ہی وابستگی تھی جو کہ عام طور پر انسان کو اپنی پہلی اولاد سے ہوا کرتی ہے۔ یہ مثنوی صرف چند الفاظ اور خیالات کا مجموعہ ہی نہ تھی بلکہ امتِ مسلمہ کے لئے ان کے حقیقی جذبات کا اظہار بھی تھی وہ رو بہ زوال امت مسلمہ کو جس مقام پر دیکھنا چاہتے تھے ان کے خیال میں یہ مثنوی انہیں اس مقام تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ ان کے خواب کی تعبیر تھی جو وہ اپنی قوم کے لئے دیکھ رہے تھے۔ جیسا کہ اقبال کے مختلف احباب کے نام خطوط سے عیاں ہے کہ یہ مثنوی ایک خاص مقصد کے تحت تخلیق کی گئی تھی اور یہ کہ انہوں نے مثنوی خود سے لکھنے کا ارادہ نہ کیا تھا بلکہ یہ مثنوی ان سے لکھوائی گئی تھی۔ اقبال کو یقینِ کامل تھا کہ اگر امتِ مسلمہ اسرار خودی کے پنہاں رازوں کو پا گئی تو بہت جلد وہ ستاروں کو گردِ راہ بناتی ہوئی چرخِ نیلی فام سے پرے اپنی منزل کو جا لے گی۔ اقبال کو اپنی مثنوی سے جس قدر توقعات وابستہ تھیں اس کا ذکر ان کے خطوط میں اکثر ملتا ہے۔ وہ اس مثنوی کے ذریعے شہرت کے حصول کے متمنی ہرگز نہ تھے۔ وہ ان خوش قسمت شعراء میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی ہی میں شہرت کی بلندیوں کو چھو لیا تھا خاص طور سے مثنوی کے انگریزی ترجمے نے ان کی شہرت یورپ تک پہنچا دی تھی۔ ان کی زندگی ہی میں مثنوی کے مختلف زبانوں میں نہ صرف تراجم کا آغاز ہو گیا تھا بلکہ اس پر ہندوستان اور ہندوستان سے باہر سینکڑوں ریویو بھی شائع ہو گئے تھے۔ آج اس مثنوی کو تخلیق ہوئے سو سال سے زائد عرصہ بیت گیا ہے۔ اس دوران اس کے مختلف علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں، لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ علامہ اقبال نے جس مقصد کے حصول کے لئے یہ مثنوی تحریر کی تھی اس کا حصول ممکن نہ ہو سکا۔ اقبال کے اپنے بیان کے مطابق انہوں نے یہ مثنوی خاص طور سے ہندوستان کے نوجوانوں کے لئے تحریر کی تھی لیکن ہندوستان کے نوجوان اس سے اس طرح مستفید نہ ہو سکے جیسے کہ اقبال کی خواہش تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ہندوستان میں فارسی زبان کا چلن کم ہوتے ہوئے خاتمے کے قریب پہنچ گیا ہے۔ نئی نسل فارسی زبان سے بالکل آگاہ نہیں، دوسرے اقبال شناسوں کا اولین قافلہ رخصت ہو گیا اب اقبال کے گنے چنے ناقدین اور شارحین اقبال شناسی کا ثبوت تو دے رہے ہیں لیکن اقبال کی فکر سے نسلِ نو کو آگاہ کرنا صرف ان ہی کی ذمہ داری

نہیں ہے پوری قوم اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے نبھانے کی سعی کرے تبھی فکرِ اقبال خصوصاً اسرار خودی کی تفہیم ممکن ہے۔ تیسرے یہ کہ کلامِ اقبال اور فکرِ اقبال خصوصاً اسرار خودی کی کوئی "گنجائش" ہمارے نصاب میں باقی نہیں۔ ایسے میں اسرار خودی کے اسرار کو سمجھنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اگر آج بھی ہمیں بحیثیت قوم خود کو مستحکم بنانا ہے تو کلام اقبال اور خصوصاً اسرار خودی کی تفہیم کو عام کرنا ہو گا تا کہ اس مثنوی سے علامہ اقبال کی وابستہ توقعات پوری ہو سکیں۔

❁ ... ❁ ... ❁

حوالہ جات و حواشی

۱ سید مظفر حسین برنی، مرتبہ، کلیات مکاتیب اقبال، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۱، ج ۲، ص ۴۰۷۔

۲ رفیق خاور، اقبال کا فارسی کلام ایک مطالعہ، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۷۔

۳ محمد عبد اللہ قریشی، مرتبہ، روح مکاتیب اقبال، اقبال کادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷، ص ۸۸۔

۴ ڈاکٹر عبد الشکور احسن، اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص ۲۳۔

۵ علامہ اقبال نے اس خواب کا تذکرہ اپنی مثنوی " اسرارِ خودی " کے اشعار میں بھی کیا ہے۔

۶ خرم علی شفیق، اسرار و رموز (سلسلہ آسان کتب)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۳۔

۷ محمد عبد اللہ قریشی، روح مکاتیب اقبال، ص ۹۴۔

۸ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، ۱۹۸۹ء، ج ۱، ص ۲۸۰

۹ ایضا، ص ۲۹۴۔

۱۰ ایضاً، ص ۳۳۲۔

۱۱ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اپنی تالیف تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ میں مثنوی کے نام کے بارے میں اپنے خیال کا اظہار کیا ہے۔ کہ یہ نام غالباً علامہ اقبال نے درج ذیل شعر کے مصرعہ سے اخذ کیا ہے:
"ہر چہ می بینی زاسرارِ خودی است"   (ص ۸۱)

۱۲ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، ج ۱، ص ۳۴۸۔

۱۳ ایضاً، ج ۱، ص ۳۸۸۔

۱۴ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، مثنوی اسرار خودی، ص: ل۔

۱۵ مولانا غلام رسول مہر، مطالب اسرار و رموز، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، س۔ن، ص ۴۶

۱۶ ایضاً، ص ۱۲۔

۱۷ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، ج ۱، ص ۵۱۵۔

[18] محمد عبداللہ قریشی، روح مکاتیب اقبال، ص ۲۰۰-۲۰۱۔

[19] ایضاً، ص ۲۰۳۔

[20] گوہر نوشاہی، مرتب، مطالعہ اقبال: منتخبہ مقالات مجلہ اقبال، طبع دوم، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۳۱۔

[21] مولانا غلام رسول مہر، مطالب اسرار و رموز، ص ۳۶۔

[22] شائستہ خان، مرتبہ، اسرارِ خودی (فراموش شدہ ایڈیشن)، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص ۱۵۶

[23] سید عبد الواحد، اسرار خودی کا انتساب، مشمولہ اقبالیات، اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، جنوری تا مارچ ۱۹۷۱، ص ۲۰

[24] محمد عبداللہ قریشی، روحِ مکاتیب اقبال، ص ۱۹۶

[25] سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، ج ۲، ص ۱۹۴-۱۹۵۔

[26] ایضاً، ص ۲۲۶۔

[27] Reynold A.Nicholson, *Asrar-i-khudi* (the Secrets of the Self)

❁...❁...❁